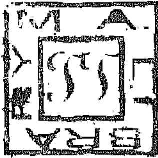
مرزا غالب کی شاعری

پر

جناب مولوی مرزا محمد عسکـ احب بی۔اے کا محققانہ لکچر

ڈ

مُسلم اکاڈیمی کی محفل منعقدۂ دی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ پڑھا گیا



ر

باہتمام حکیم محمد الحق منیجر دلگداز

سنہ ۱۹۲۵ء مین

دلگداز پریس واقع کٹرہ بزن بیگیان لکھنؤ مین طبع ہو کر
شائع ہوا

طبع اول ۷۰۰ جلد (کل حقوق محفوظ ہین) قیمت فی جلد ۴ر



تیری بات انوکھی تیری چال ٹیڑھی
تجھے میر سمجھا ہے یاں کم کسو نے

مرزا کے کلام مین ٹرفگی اور انوکھا پن

گو کہ یہ شعر میر تقی میر کا ہے مگر مرزا غالب کے بھی پوری طرح حسب حال ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مرزا کے کلام مین میر صاحب سے بھی کچھ زیادہ انوکھی باتین نکلین گی اور یہی طرفگی ادا اور انوکھا پن جس طرح وہ مرزا کی شاعری کا نشان امتیاز ہے اسی طرح وہ اُن کے کلام کو ایک طبقۂ خاص مین مقبول اور دوسرے مین غیر مقبول خود مرزا کے زمانے سے اسوقت تک بنائے رہا ہے اور اسی طرز خاص سے اُن کا کلام ایسا دقیق اور معما سا ہو گیا ہے کہ اُس کو سمجھنے کے لیے شرح کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر بھی بسا اوقات شعر کا اصلی مطلب مافی ذہن الشاعر اچھی طرح سمجھ مین نہین آتا اور باوجود جد و جہد کے بھی شارح سے کچھ نہ کچھ رہ ہی جاتا ہے مولانا حالی نے بہت سچ لکھا ہے کہ مرزا کی فطری ذہانت اور جدت پسندی نے اوائل عمر مین اُن کو اس پر مجبور کیا کہ اپنے واسطے وہ ایک نئی شاہ راہ قدما سے الگ نکالین چنانچہ چند دن اسی خود ساختہ راستہ پر وہ چلے مگر جب دیکھا کہ منزل مقصود تک پہونچنا دشوار ہے تو مجبوراً پرانا ڈھرا اختیار کرنا پڑا۔ مگر پھر بھی اُن کی انتہائی طبیعت داری اور جدت طرازی نے اس بات کو کسی طرح منظور نہین کیا کہ وہ مرد ان کی کورانہ تقلید کرین۔ اور لکیر کے فقیر بنے رہین پس اُنھون نے اُسی شاہراہ کے مقابل اپنے واسطے ایک نئی لیکھ بنائی اور اس پر چلنا شروع کیا۔

قدما مین کس نے کس نے راہبری کی

مرزا لے اس واقعے کو کہ پہلے وہ قدما مین کسی کی پیروی نہین کرتے تھے بلکہ اُن کی فطری جودت جس راستے پر اُن کو لے جاتی تھی اُس پر چلتے تھے مگر بالآخر سنبھل گئے اور متاخرین مین سے کس کس کے رنگ مین کہنے لگے عجب پُر لطف طریقے سے ایک طویل استعارہ کی صورت مین لکھا ہے

اس شعر میں کسی قسم کا انعکاس نہیں اور نہ شاعر کا یہ مقصد ہے کہ سامع کے دل میں سوائے ایک کیفیت خاص کے کوئی دوسری کیفیت یا جذبہ پیدا کرے۔ یہی اس شعر کا لطف ہے کہ قلب انسانی تمام جذبات اور کیفیات کو تھوڑی دیر کے لیے معطل رکھ کے صرف ایک کیفیت میں محو ہو جاتا ہے اور چونکہ الفاظ کا طلسمی گورکھ دھندا اس میں موجود نہیں اس لیے دماغ کو جولانی کا موقع نہیں ملتا۔ بلکہ ایک قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی دل کے ساتھ شریک ہو کر اس الہامی شعر کے مزے لینے لگتا ہے۔ اچھا اب مزے لینے کے لیے کسی خاص تعلیم و جد و جہد کی بھی ضرورت نہیں جذبات کسی شخص خاص یا طبقہ کی ملک نہیں۔ وہ بادشاہ و فقیر، امیر و غریب، عالم و اُمّی سب میں برابر پائے جاتے ہیں بلکہ عوام میں بہ نسبت خواص کے بعض جذبات زیادہ تیز ہوتے ہیں یہ بات کسی خاص طریقے سے بتلانے کی ضرورت نہیں کہ جب کوئی شخص روتے روتے سو جائے تو تم اُسکے قریب آہستہ بولو تاکہ اُسکی نیند اُچاٹ نہ ہو۔ چونکہ یہاں مقصود ایک خاص جذبہ کا استعمال ہے لہذا مغلق اور پُر از تکلف الفاظ سے یہ مطلب فوت ہو جانے اور بجائے جذبہ صحیح پیدا ہونے کے ایک معکوس کیفیت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے جیسا کہ مرزا رفیع سودا کی شعر مذکورہ پر ترمیم و اصلاح سے ثابت ہوتا ہے۔ سودا تو ایک ہنسوڑ شاعر تھے اُن کی بات مذاق و ظرافت میں اُڑ گئی اور کوئی دوسرا ایسی جرأت کرتا تو اُسکی زبان کھنچوا لینے کے قابل تھی فرماتے ہیں۔

سودا کی جو بالیں پہ ہوا شور قیامت — خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے۔

مرزا سودا نے غضب کیا کہ میر صاحب کی ساری محنت رائگان کر دی اور اصل مضمون کو غارت کر دیا "شور قیامت" کا لفظ داخل کر کے ایک حسرت زدہ شخص کو جو روتے روتے سو گیا ہو مردہ تصور کیا۔ چنانچہ وہ جذبہ جو شعر اول الذکر سے پیدا ہوا تھا ایک دوسرے جذبہ سے یعنی رحم مذاق و استہزا سے بدل گیا غرضکہ لفظ "قیامت" نے قیامت کر دی اور شعر کا سارا مزہ کرکرا کر دیا۔

اب صنف دوم یعنی تخیل کی شاعری کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔ مرزا غالب کا شعر ہے۔

تخیل کی شاعری کا نمونہ

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا — یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

یہ شعر ایک دوسرا عالم دل و دماغ کے سامنے پیش کر دیتا ہے جس طرح میر کے شعر سے قلب و دماغ کو ایک خاص طرح کا سکون حاصل ہوا تھا اس تخیل اور طرز ادا نے دماغ کو ایک ہل چل میں ڈال دیا اور عجب طرح کا تموج خیالات میں پیدا کر دیا جس طرح ایک عمدہ ترشا ہوا

نگینہ اپنے مختلف پہلوؤں سے عجیب پُرلطف طریقے سے ضیا بار ہوتا ہے اور با صطلاح حکاکان وسادہ کاران چھوٹ دیتا ہے اُسی طرح یہ شعر کسی ایک معنی اور لفظ پر آپ کے خیال کو جمنے نہیں دیتا اور جب ایک معنی سے آپ کا قلب و دماغ مطمئن ہو جاتا ہے اور لطف اُٹھانے لگتا ہے تو دُوسرے معنی پہلے سے بھی بہتر اور خوشتر آپ کے سامنے آجاتے ہیں اور آپ اُس سے حظ اُٹھانے لگتے ہیں۔ اسی چیز کو افلاطون نے انعکاس (ریفلیکشن) سے تعبیر کیا ہے۔ اس شعر کو کما حقہٗ سمجھنے کے لیے چند باتوں کی ضرورت ہے جب تک وہ سب مجتمع نہ ہوں شعر کا مطلب حل نہ ہوگا (۱) تعلیم یافتہ ہونا (۲) تصوف سے مذاق رکھنا (۳) اصطلاحات موسیقی بلکہ فن موسیقی سے باخبر ہونا (۴) فن شعر اور صنائع بدایع میں مہارت تامہ رکھنا۔ اس شعر کے قریب قریب تمام الفاظ محرم، نوا، پاسے راز، حجاب، پردہ، ساز، سب اصطلاحیں ہیں جن میں سے بعض تصوف اور موسیقی دونوں میں مشترک ہیں ان کو جاہل کیا معنی پڑھے لکھے بھی نہیں سمجھ سکتے جب تک وہ دونوں علوم میں کامل دستگاہ نہ رکھتے ہوں پھر بندش اور نشست الفاظ میں کمال بلاغت کو صرف کیا ہے جس کا پورا لطف صرف وجدان سلیم پر موقوف ہے شعر کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ تو ہی (انسان سے تخاطب ہے) راز کے نغموں (اسرار الٰہی) سے نابلد ہے ورنہ اس عالم میں تمام کائنات (جس کو پردہ اور حجاب سے تعبیر کیا ہے) توصیف اور تقدیس الٰہی میں مصروف و سرگرم ہے۔ شعر کا تو طاہر اور کچھ مطلب جو الفاظ سے ظاہر ہو سکتا ہے کسی نہ کسی طرح بیان ہو گیا۔ مگر اصلی معنی جو بقول مرزا بیدل الفاظ کے ذریعے سے کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے واقعی مخفی ہیں۔ اب آئیے ایک دوسرے طریقے سے ہم اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ استعارہ کی ایک طلائی زنجیر شعر کے دونوں مصرعوں میں پڑی ہوئی ہے جس میں الفاظ کے ترشے ہوئے جواہر پروئے ہوئے ہیں۔ یا موسیقی کا استعارہ جس پر تصوف کا بھی گنگا جمنی پانی چڑھا ہے ایک ایسا طلسم ہے جو سامع کے دل و دماغ دونوں کو مسخر و مسحور کر لیتا ہے عالم کو ایک ایسے ساز (باجے) سے تشبیہ دی ہے جس میں خود ساز و سازنواز صانع و مصنوع خالق و مخلوق سب شامل ہیں۔ اس پوری کائنات کو ایک ساز فرض کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ساز کے مختلف ٹکڑے اور پردے الگ الگ کوئی وجود نہیں رکھتے۔ بلکہ اُسی ساز کے اجزا ہیں اور مل کر ساز کہلاتے ہیں اُسی طرح تمام کائنات و موجودات بالذات کوئی چیز نہیں بلکہ ہستی مطلق کے اجزا ہیں اور مجموعاً ان ہی کے

مختلف مظاہر سے ہستی مطلق مراد ہے جیسا کہ سا رے گا ما کے مختلف پردون سے مجموعًا ساز مراد ہے پھر جس طرح کوئی اُستاد سازندہ کسی پردے سے جو ٹھیک نہین بولتا اور غلط سُر دیتا ہے غصّہ اور جھنجھلا کر کہتا ہے کہ اور سب پردے تو ٹھیک بول رہے ہین تجھی کو کمبخت کیا ہوا ہے کہ صحیح سُر نہین دیتا اُسی طرح شاعر انسان کو مخاطب کر کے تنبیہ کرتا ہے اور عبرت دلاتا ہے کہ حیف ہے تجھ پہ تو کیون اپنا تشخص الگ قائم کرتا ہے دیکھ جبکہ دوسری ہستیان اپنا اپنا کام کر رہی ہین یعنی اپنے تئین واجب الوجود مین فنا کر چکی ہین تو پھر تو کیون اُن سے الگ ہے اور ذات بحت مین کیون نہین مل جاتا غرضکہ یہ اور اسی قبیل کے اور بھی خیالات ہین جو اس شعر سے دل مین موج زن ہو جاتے ہین مگر حق یہ ہے کہ جو بات جادو بیان شاعر ۱۵-۱۶ لفظون مین ادا کر گیا وہ ہم سے آپ سے صفحون کے صفحون مین ادا نہین ہو سکتی -

مذکورۂ بالا دو اشعار سے دو بڑے اصناف شاعری کا فرق آپ پر روشن ہو گیا ہو گا اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا غالب اُن مین سے کس صنف سے تعلق رکھتے تھے - میرے نزدیک

مرزا صاحب کی شاعری کس رنگ کی ہے

اس کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے وہ یہ کہ تخیل کی شاعری سے مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ جب کوئی شخص ایک صنف شاعری کو اختیار کر لیتا ہے یا فطرۃً وہ اُسکے جانب مائل ہوتا ہے تو وہ دوسری صنف مین طبع آزمائی نہین کر سکتا - میری رائے ناقص مین اِسکا صرف یہ مطلب ہے کہ جس صنف کو وہ اختیار کرتا ہے یا اُس کی طبیعت فطرۃً اُسکی طرف مائل ہوتی ہے اُس مین وہ کثرت سے اور زیادہ موثر شعر لکھتا ہے اور دوسری صنف کے اشعار کمتر خواہ بمقابلہ اپنے خاص مذاق کے اشعار یا دوسرون کے اشعار کے کہتا ہے اور نیز یہ کہ ویسے اشعار اس قدر موثر بھی نہین ہوتے -

اس کی بہت واضح اور بین مثال سلطان الشعرا میر تقی میر کا کلام ہے مشہور ہے کہ اُن سے بڑھ کے جذبات اور درد کی شاعری کسی دوسرے کو نصیب نہین ہوئی نیز یہ کہ اُن کے بہتر نشتر یعنی ایسے اشعار مشہور ہین جو جذبات کے سچے فوٹو اور فوراً دل نشین ہو جاتے ہین یہ بالکل سچ ہے مگر اس سے یہ نہین لازم آتا کہ میر صاحب کے یہان تخیل نہین ہے یا کم ہے

میر صاحب کے یہان تخیل

اگر ان کا کوئی سا دیوان اُٹھا کے دیکھیے تو معلوم ہو جائے گا کہ جب اس طرف طبع آزمائی کرتے ہین تو اس کا بھی جواب نہین ہو سکتا مثلاً موسم بہار مین باغ کی شگفتگی اور تر و تازگی کو ہر شخص خوب جانتا ہے شاعرون نے بہار کا خوب خوب

سمان کھینچا ہے مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں پیدا ہوئی تھی کہ ہندوستان کے موسم بہار یعنی برسات میں باغ ایک ترازو بن جاتا ہے جس کا ایک پلہ زمین اور ایک آسمان ہوتا ہے اور دونوں بھرے پُرے ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کے اور کیا تخیل ہوگا۔ فرماتے ہیں۔

گلستان کے ہیں دونوں پلے بھرے ۔۔۔ بہار اس طرف اُس طرف ابر ہے

اس شعر نے جذبہ مسرت کو ایک عجیب و غریب تخیل کے ذریعہ سے برانگیختہ کیا جس کا لطف صرف اصحاب ذوق اُٹھا سکتے ہیں۔

اسی طرح معکوس طریقے سے مرزا غالب کے بیان تخیل بہت ہے مگر یہ کوئی

مرزا صاحب کے بیان درد کے اشعار

نہیں کہہ سکتا کہ درد کے اشعار سے اُن کا دیوان خالی ہے۔ اس میں ایسے اشعار بھی بہت ملیں گے جو سراپا درد ہیں اور چونکہ جذبات کے اظہار کے لیے صاف اور سیدھے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے ان کو بھی اس قسم کے اشعار میں ایسے ہی الفاظ استعمال کرنا پڑے۔ فرماتے ہیں۔

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی (۱) اب کسی بات پر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا (۲) بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی؟

دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں (۳) آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

کس سے محرومیٔ قسمت کی شکایت کیجیے (۴) ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

اُگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب (۵) ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

ایسا آساں نہیں لہو رونا (۶) دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا (۷) بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا (۸) دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

ان کے علاوہ سیکڑوں اشعار اسی قبیل کے نکلیں گے ہم نے نمونہ کے طور پر چند یہاں لکھ دیے

مگر ایک بات قابل غور ہے کہ ان سب میں چونکہ حسرت و درد ظاہر کرنا تھا مرزا صاحب اپنی پرانی چال یعنی رنگینی طبع اور جدت طرازی سب بھول گئے سوائے نمبر (۳) میں دل عاشق کی ایک ایسے مکان سے جو جل گیا ہو اور نمبر (۷) میں گھر کی ویرانی کی بحر بیابان کے ساتھ تشبیہ کے اور سب شعر بالکل صاف اور تشبیہ و استعارہ سے خالی ہیں نمبر (۱) اور (۸) اس قدر صاف اور سہل الفاظ میں ہیں کہ مرزا صاحب کے نہیں معلوم ہوتے

مرزا صاحب کے درد و حسرت کی اقسام

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مرزا صاحب کے یہاں درد و حسرت کی تصویرین دو طرح کی ہین ایک حرمان نصیب عاشق اور دوسری خود مرزا صاحب کی ذات کی جو دنیاوی مصائب و آلام کے سبب سے سراپا درد و حسرت بن گئی تھی۔ اُن کے یہان جو اشعار درد و حسرت کے عاشقانہ رنگ مین ہین وہ میر صاحب کی طرح موثر نہین مگر وہ جن مین اُن کی شخصی ناکامی و نامرادی کا پرتو ہے نہایت موثر ہین مثلاً۔

ہے سبزہ زار ہر در و دیوار غمکدہ — جس کی بہار یہ ہو پھر اُسکی خزان نہ پوچھ
زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب — ہم بھی کیا یاد کرین گے کہ خدا رکھتے تھے
سفینہ جبکہ کنارے پہ آ لگا غالب — خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

جذبات شاعری اور معمولی جذبات مین فرق

ہماری ایشیائی شاعری کا یہ اصول اعظم ہے کہ شاعر خواہ وہ کسی پر واقعی طور پہ عاشق ہو یا نہ ہو اپنے تئین عاشق فرض کرکے اپنے معشوق کو سخت بے مہر بے رحم ظالم سخت دل قرار دے لیتا ہے اور اس کا معشوق اُس پہ کتنا ہی مہربان اور با وفا کیون نہ ہو وہ اُس کو بے وفا اور وعدہ فراموش ہی کے القاب سے یاد کرتا ہے۔ شاعری کی دنیا مین یہ خود فریبی معلوم نہین کہ مفید ہے یا نہین مگر اس مادی دنیا مین تو یقیناً نقصان رسان ہے۔ اور عشاق کو اسی غلط خیالی کی وجہ سے بسا اوقات سخت نقصان اُٹھانا پڑتے ہین اور وہ بڑے گھاٹے مین رہتے ہین۔ اخبار اسٹیٹسمین مین چند روز ہوے ہم نے پڑھا تھا کہ ایک شخص نے جن کی شادی حال مین ہوئی تھی بیوی سے استحساناً فرمایا کہ دیکھو "زمانہ کورٹشپ مین مین نے کس قدر تہذیب برتی کہ تمھارا بوسہ تک نہ لیا" شوخ چشم اور صاف گو بیوی نے جواب دیا "مگر بڑی بے وقوفی کی تہذیب تھی" مگر شاعری کی دنیا اس سے بالکل الگ ہے اُس مین حصول مطلب بہت بُرا اور طلب آمال بہت اچھا ہے۔ اُس مین معشوق بے وفا ہی کہلاتا ہے گو کہ بھولے سے وہ وعدے بھی وفا کرے اگر وہ بوسہ بھی دیتا ہے تب بھی یہ طعنہ ہوتا ہے۔

صحبت مین غیر کے نہ پڑی ہو کہین یہ خو — دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

اُس مین زخم اندمال پذیر سے اس قدر نفرت ہے کہ وہ دشمن کے حوالہ کیا جاتا ہے۔

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی لکھ دیجیو یارب اُسے قسمت میں عدو کی

اس میں وعدۂ وصال اس دنیا میں پورا ہو نہیں سکتا۔ اور ممکن ہے کہ دوسری دنیا میں بھی پورا نہو

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

اور سچ پوچھیے تو اسی فرضی ناکامی سے ہمارے شعرا بڑا کام لیتے ہیں اور اُن کے ہاتھ میں یہی چیز جذبات کے مشتعل کرنے اور ہمارے دل میں درد پیدا کرنے کا ایک زبردست آلہ ہے۔ بالفرض اگر کوئی ایسی مثنوی لکھی جائے جس میں عاشق کو نعمت وصال جلد نصیب ہو جائے اور تکلیفیں اور مصیبتیں جو عشاق خیالی کو معمولاً جھیلنا پڑتی ہیں فرض کیجیے کہ اُسکو نہ جھیلنا پڑیں اور شاہزادۂ گلفام کو اپنی سبز پری جلد مل جائے تو آپ کے نزدیک اس قسم کی مثنوی مثل زہر عشق اور رومیو جولیٹ وغیرہ کے جس میں عاشق و معشوق دونوں بالآخر اپنی جان دیدیتے ہیں ہر دل عزیز ہوگی؟ ہرگز نہیں اس فرق کا سبب میرے نزدیک صرف اسی قدر ہے کہ دنیائے شاعری میں جو لذت کاوش میں ہے وہ حصول مقصد میں نہیں راہ کی مشکلات منزل مقصود تک پہونچنے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہیں اور "تصور جانان" "تصویر جانان" ہے اور "تصویر جانان" خود گوشت و پوست کے جانان سے زیادہ دل کش و دلفریب ہے۔ اب

شاعر کے درد سے دوسرا کیوں متاثر ہوتا ہے؟

دیکھنا یہ ہے کہ شاعر کی ناکامی اور حسرت نصیبی سے دوسرا کیوں متاثر ہوتا ہے۔ میر تقی میر کی ساری زندگی مصائب و آلام سے بھری ہوئی تھی۔ اور یہی مصائب و آلام چھن چھن کر اُن کے خیالات شاعری میں سرایت کر گئے تھے۔ اور اُس کے جزو بن گئے تھے۔ بقول مصنف آبحیات "وہی مصیبت اور قسمت کا غم جو ساتھ لائے تھے اُس کا دکھڑا سناتے چلے گئے" مگر تعجب ہے کہ باوجود سوا ڈیڑھ سو برس گذر جانے کے بھی میر کا غم ہمارے دلوں میں ہنوز تازہ ہے۔ اور جب تک زبان اُردو باقی رہے گی اور ذوق شاعری ہم میں رہے گا ہمیشہ تازہ رہے گا! اور اُن کا دکھڑا سُن کے ہمارا جی کبھی نہ گھبرائے گا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ معمولی غم جن میں حلاوت کم تر ہوتی ہے بعد تھوڑی مدت کے ذہن

معمولی جذبات اور شاعر کے جذبات کا فرق

سے ہم بھول جاتے ہیں! اور میر صاحب کے مصائب و آلام میں بڑا فرق ہے۔ معمولی لوگ اپنی مصیبتوں کو ایسے الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو خود انھیں کے حسب حال ہوتے ہیں اور دوسروں سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ لہذا دوسرے بھی اُس سے ایک وقت خاص تک تو متاثر ہوتے ہیں مگر بعد کو وہ

میر صاحب کے بعض اشعار درد

اثر بسبب عدم اشتراک کیفیت زائل ہو جاتا ہے. مگر میر صاحب کا درد و غم ایسے جادو بھرے الفاظ مین بیان کیا گیا ہے کہ اُن کی ترکیب و بندش سے اصلی غمزدہ شخص کی تصویر تو آنکھون سے اوجھل ہو جاتی ہے مگر خود پڑھنے یا سننے والا اپنے مین وہ سب کیفیتین پانے لگتا ہے جو شعر مین بیان ہوئین مثلاً فرماتے ہین

کون جی سے نجا ہے ہائے میرؔ　　حیف یہ ہے کہ تو جوان گیا

اس شعر کے پہلے مصرعہ مین جملۂ استفہامیہ کی صورت نے مرنے کو ایک معمولی واقعہ قرار دیا مگر دوسرے مصرعہ مین جوانامرگی کی موت کو حسرتناک موت کہا اور "تو جوان گیا" کی تخصیص سے شعر مین بیحد لطف و اثر بڑھ گیا اب ہر شخص جس کا کوئی جوان عزیز یا دوست مرجاے اس شعر کو اپنے حسب حال پاکر اس سے عجب لطف اُٹھاتا ہے -

اُلٹی ہوگئین سب تدبیرین کچھ نہ دوا نے کام کیا　　آخر اس بیماری دل نے اپنا کام تمام کیا

مرض الموت مین سب تدبیرین بیکار ہوتی ہین کوئی دوا کارگر نہین ہوتی اور آخر کار مریض کا کام تمام ہو جاتا ہے ان واقعات کو کون نہین جانتا؟ مگر "بیماری دل" کے لفظ نے شعر کو ایسا وسیع و بلیغ کر دیا کہ اُن تمام حالتون پر حاوی ہے جب کسی کا علاج کرتے کرتے تھک جائین اور مریض جانبر نہ ہوسکے -

اک ہوک سی دل مین اُٹھتی ہے اک درد جگر مین ہوتا ہے + ہم رات کو اُٹھ کر روتے ہین جب سارا عالم سوتا ہے

یہ شعر ہمارے راجہ صاحب محمود آباد دام اقبالہ کو بہت پسند ہے فرماتے ہین کہ نواب امداد امام اثر اس شعر کو پڑھکر وجد کرتے ہین اور کہتے ہین کہ الہامی شعر ہے - واقعی ایسا ہی ہے ناکام عاشق کی حالت کو ایسے پُردرد الفاظ مین اور ایسی ترکیب سے بیان کیا ہے - جس سے بہتر ذہن انسانی مین نہین آسکتا - سر سید مرحوم نے حالی کی مناجات بیوہ کو پڑھ کر کہا تھا کہ "شوہر دار عورتون کا بھی اس کتاب کو پڑھ کر دل چاہتا ہوگا کہ کاش ہم بیوہ ہو جائین تاکہ اس کتاب کا پورا لطف اُٹھا سکین" اسی طرح میرے نزدیک ہر وہ شخص جو لذت عشق سے ناآشنا ہو محض اس شعر کی خاطر سے اور اُس کا پورا لطف اُٹھا سکنے کے لیے ضرور عاشق بننا چاہتا ہوگا -

مرزا صاحب کے یہان درد و حسرت اور اُس کا خاص اثر

مرزا غالب کے یہان یہ درد و حسرت ایک خاص طریقے سے بیان ہوا ہے اور ایک خاص اثر رکھتا ہے مذکورۂ بالا میر صاحب کے اشعار سے یقیناً

معلوم ہو گیا ہوگا کہ درد کا اثر اشتراک کیفیت کی وجہ سے ہوتا ہے گو کہ مرقع درد کی اصلی تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ مرزا صاحب کے کلام مین تمدنی ہے اور ایک نہایت لطیف اور نازک بات پائی جاتی ہے جو میرے خیال مین کسی شاعر کے کلام مین موجود نہین۔ یعنی سامع متاثر ہونے کے علاوہ اُس مرقع درد کے عین وسط مین خود مرزا صاحب کی حسرتناک صورت صاف طور پر دیکھتا ہے جو اُس کی آنکھون سے کبھی اوجھل نہین ہوتی۔ میر صاحب کی طرح مرزا صاحب کی بھی زندگی دنیاوی مصائب و آلام کا ایک حسرتناک مجموعہ تھی۔ اور ہرچند کہ اُن کی آمدنی معتدبہ تھی جیسا کہ اُن کے سوانح نگار لکھتے ہین۔ مگر اُن کی عالی حوصلگی کے آگے وہ رقم کوئی چیز نہ تھی اسی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنی پریشان حالی کی شکایت ہی کرتے رہے۔ اور ہرچند کہ اُن کے خواہشات کو خدا کسی نہ کسی طرح پورا کر دیتا تھا۔ مگر پھر بھی سیکڑون خواہشین اور ہزارون ارمان اُن کے دل مین مدفون ہی رہ گئے۔ چنانچہ خود کہتے ہین۔

ہزارون خواہشین ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے — بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اس کے علاوہ ایک اور چیز بھی اُن کی کاہش کا بہت بڑا سبب تھی اور اس مین بھی میر صاحب اُن کے شریک حال تھے یعنی زمانے کی ناقدردانی اور اپنے تئین اپنے تمام معاصرین مین سب سے بڑھ کر سمجھنا مگر اِن دونون بزرگوارون مین اس معاملے مین بڑا فرق تھا۔ میر صاحب پر اس خصوصیت کا یہ اثر پڑا تھا کہ اُن کے مزاج مین ایک قسم کا چڑچڑاپن اور دنیا سے بیزاری پیدا ہو گئی تھی مگر مرزا صاحب باوجود زمانے کی ناسازگاری کے نہایت شگفتہ مزاج اور خلیق و ملنسار واقع ہوئے تھے زمانے کو تو برا کہتے تھے۔ مگر اہل زمانہ سے نہایت خُلق و تواضع اور شفقت و محبت سے پیش آتے تھے اُن کی کوئی اولاد نہ تھی مگر اپنے فرزندان معنوی یعنی شاگردون کو اپنی اولاد سے کم نہین سمجھتے تھے۔ مذکورۂ بالا دو وجہین یعنی اُن کا تفاخر اور اُن کی پریشان حالی اُن کے کلام مین ایک خاص رنگ پیدا کر دیتی ہین جو محتاج بیان نہین اور جیسا ہم ابھی کہہ چکے ہین بندش کی وجہ سے یا خاص الفاظ کے استعمال سے یا خدا کو معلوم کس وجہ سے

مرزا صاحب کے اشعار درد مین خود اُن کی تصویر

خود مرزا صاحب کی ذات اُن کے تمام اشعار مین برابر جھلکتی رہتی ہے جس سے ہم پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ یہ کیفیت اشعار ذیل سے بخوبی معلوم ہو جائے گی۔ اور چونکہ مرزا صاحب کی فارسی کلام مین اس قسم کے جواہر بیشتر ہین۔ ہم نے اُس مین سے بھی بعض شعر منتخب کیے ہین اور

اُن کا مطلب مختصر الفاظ مین سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

قدر سنگ سرِ رہ رکھتا ہون (۱) سخت ارزان ہے گرانی میری

اپنے تئین سنگ راہ یعنی اُس پتھر سے تشبیہ دی ہے جس پر راستے مین لوگ پاؤن رکھ کر گزرتے ہین جو بھاری تو ہوتا ہے مگر بالکل بے قدر ۔ اپنی گران قدری اور اُس کے ساتھ بیقدری کس خوبصورت اور انوکھے عنوان سے ثابت کی ہے۔

زندگی اپنی جب اس شکل سے گذری غالب (۲) ہم بھی کیا یاد کرین گے کہ خدا رکھتے تھے

دوسرے مصرع کی شوخی نے اُس حسرت کو جو پہلے مصرع سے ٹپکتی ہے دوبالا کر دیا اور قایل کے ساتھ ایک خاص ہمدردی پیدا کر دی۔

روئے سیاہ خویش ز خود ہم نہفتہ ایم (۳) شمع خموش کلبۂ تاریخودیم ما

عجیب و غریب تشبیہ ہے اور عجیب بلاغت کو کام فرمایا ہے۔ جس طرح ایک اندھیری کوٹھری مین سفیدی و سیاہی کچھ نہین معلوم ہوتی (اس کو اس طریقے سے ادا کیا ہے کہ شمع خاموش اپنے جلے ہوے سیاہ ڈورے کو نہین دیکھ سکتی) اُسی طرح مین اپنی سیاہ روئی یعنی بدنصیبی کا صحیح اندازہ کرنے سے خود عاجز ہون۔

آن کشتی شکستہ ز موج کہ تباہی (۴) افگند در آتش گرا ز آبم بدر آورد

اپنے تئین اُس ٹوٹی ہوئی کشتی سے تشبیہ دی ہے جو پانی کے تھپیڑون سے کمزور و بیکار ہو جاتی ہے اور اُس کی لکڑی آخر کار جلانے کے کام آتی ہے۔ یعنی زمانہ کسی حال مین مجھکو چین لینے نہین دیتا۔

ہفت آسیا بگردش و ما در میانِ او (۵) غالب دگر مپرس کہ بر ما چہ می رود

جو دانہ سات چکیون کے بیچ مین ہو اور وہ ساتون چکیان چل رہی ہون اور تم اُس دانہ کی مزاج پرسی کرو اس سے بڑھ کر بھی تمھاری کوئی حماقت ہوگی؟

جوہر طبعم درخشان است لیک (۶) روز من اندر ابر پنہان میرود

عجیب بلیغ شعر ہے جس کا اصلی لطف سوا ے خود شعر کے اور کسی الفاظ سے ادا نہین ہو سکتا۔ ابر کے دن آفتاب چھپ جاتا ہے گویا وہ اپنے اوپر افسوس کرتا ہے کہ ہائے میری ساری روشنی بیکار جا رہی ہے اور دنیا اُس سے فائدہ نہین اٹھا سکتی اُسی طرح میری قابلیت اور جوہر ذاتی زمانے کی ناقدرشناسی سے مفت برباد

ہو رہے ہین یہ "بی رود" کے صیغۂ حال نے مصیبت کی رفتار ہماری آنکھون سے دکھلادی
اور شعر مین ایک نظم (متحرک تصویر) کا مزہ پیدا کردیا-

نومیدی ما گردش ایام ندارد (۷) روزے کہ سیہ شد سحر و شام ندارد

جس دن تیرہ و تار ہوتا ہے اُس دن صبح و شام اور اندھیرے اُجالے کا پتہ نہین چلتا یہی حال میرا بھی ہے کہ میری خوش نصیبی بھی بدنصیبی ہے کیا بلیغ اور موثر شعر ہے-

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد (۸) بیاورید گر اینجا بود زبان دانے

یہ شعر یادگار غالب مین مرزا صاحب کی جو تصویر دی ہے اُس کے ہاتھ مین ایک کاغذ پر لکھا ہوا دکھایا گیا ہے- اس مین دو متضاد کیفیتین عجب لُطف سے جمع کی گئی ہین جو صرف مرزا صاحب ہی کا کام تھا یعنی پہلے مصرع مین اپنی زبان دانی اور قابلیت کا اظہار جیسا کہ اُن کا معمول تھا اور دوسرے مین عجب طرح کی انکساری اور پریشانی جو زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ کسی کو بلاؤ جو اس غریب الوطن کی بولی اور اُس کا مافی الضمیر سمجھ سکے-

غربتم ناساز گار آمد وطن فہمیدمش (۹) کرد تنگی حلقۂ دام آشیان نامیدمش

جب پردیس مین تکلیف ہوئی تو مین اُس کو وطن سمجھا اور جب دام کے حلقون نے مجھ پہ تنگی کی تو مین نے اُس کو آشیانہ خیال کیا یعنی مجھکو دیس پردیس سفر و حضر ہر حالت اور ہر مقام پہ تکلیف ہے-

حیف کہ من بخون تپم وز تو سخن رود کہ تو (۱۰) اشک بدیدہ بشمری نالہ بسینہ بشگری

اس شعر کا لطف ادا کرنے سے زبان قاصر ہے- اس پہ ہزارون تصوف کے اشعار صدقے اور لاکھون تخیل قربان (جناب باری سے عرض ہے کہ) تیری نسبت تو مشہور ہے کہ آنکھون کے آنسو گن سکتا ہے- اور سینے کے نالے دیکھ سکتا ہے (عجب شاعرانہ طریقے سے خدا کی قدرت کا ذکر کیا ہے) پھر کیا تیرا رحم و انصاف اسی کا مقتضی ہے کہ مجھ کو اس آفت مین رکھ چھوڑا ہے؟ میری خستگی پہ کیون رحم نہین کرتا؟

کوثر اگر بمن رسد خاک خورد ز تشنگی (۱۱) طوبیٰ اگر ز من شود ہیمہ کشم نہ بر خوری

اگر کوثر بھی مجھ کو مل جائے تو میرے نصیبون سے وہ بھی سوکھ جائے اور مجھ کو اس سے بھی بجائے پانی کے خاک ہی ملے اور اگر بالفرض طوبیٰ بھی مجھ کو عنایت ہو تو بجائے ثمر کے اُس کی سوکھی لکڑی مجھ کو نصیب ہو- یہی وہ تخیل ہے جس نے مرزا صاحب کی شاعری مین چار چاند

لگا دیے ہین اور اسی معجز نما تخیل کی وجہ سے وہ اپنے تئین نظیری و عرفی وغیرہ سے کسی طرح کم نہین سمجھتے تھے۔ اور غالبًا اسی تخیل سے اُن کی شاعری اس زمانے کے جدید انگریزی دانون تک کے طبقے مین مقبول ہے اور اُن کو بھی اُس مین بڑا مزہ آتا ہے۔

بینیم از گداز دل در جگر آتشے چو سیل (۱۲) غالب اگر دم سخن رہ بضمیر من بری

گو کہ بظاہر مبالغہ معلوم ہوتا ہے مگر مضمون بالکل سچا ہے اس کا تجربہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہین جو خود فکر شعر کرتے ہین دوسرون کو کیا معلوم۔ فرماتے ہین جس وقت مین شعر کہنے بیٹھتا ہون اُس وقت تم کسی ترکیب سے اگر میرے اندرون کی سیر کر سکو تو دیکھو گے کہ میرا دل (شعر کی حدت سے) پگھل گیا اور میرے جگر مین وہی پگھلی ہوئی آگ بہ رہی ہے۔

ان کے علاوہ بھی سیکڑون اشعار ہین جو درد و حسرت کی سچی تصویرین ہین ہم نے نمونے کے طور پر چند اشعار یادگار غالب سے نقل کیے اس وجہ سے کہ دیوان فارسی ہمارے پاس موجود نہین۔ مگر انھین سے آپ حضرات کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ مرزا صاحب کے اشعار مین یہ خاص کمال ہے کہ وہ مصنف کے ساتھ ایک رشتۂ ہمدردی بھی قائم کر دیتے ہین۔

گو کہ ہمارا مضمون مرزا غالب کی شاعری کے متعلق ہے اور ہم کو اُن کے معمولی حالات زندگی سے کچھ سروکار نہین اُن کو مولنا حالی اس قدر عمدگی اور وضاحت سے بیان کر چکے ہین کہ اُس پر کسی طرح کا اضافہ ناممکن ہے۔ مگر پھر بھی ہم مرزا صاحب کی پرائیوٹ لائف مین سے صرف تین واقعات ایسے منتخب کرتے ہین جو اُن کی شاعری سے علاقہ رکھتے ہین یعنی (۱) مرزا کا نسب اور اصلی وطن (۲) اُن کی ابتدائی تعلیم (۳) اُن کا مذہب۔

مرزا صاحب کے نسب کا اثر ان کی شاعری پر

مرزا صاحب کے نسب کا یہ حال ہے جیسا کہ سب جانتے ہین اور مولنا حالی نے بھی یادگار مین لکھا ہے۔ کہ "اُن کے آبا و اجداد ایبک قوم کے ترک تھے اور اُن کا سلسلہ تور ابن فریدون تک پہونچتا ہے" مرزا کے بڑے دوست اور عزیز نواب ضیاء الدین خان نیر کا مقولہ تھا کہ ہندوستان مین فارسی شاعری ایک ترک لاچین یعنی امیر خسرو سے شروع ہوئی اور ایک ترک ایبک یعنی مرزا

غالب پر ختم ہوئی۔ مگر مرزا صاحب نے خود اس واقعے کو اپنی کتاب مہر نیمروز کے دیباچے مین اس خوبی سے لکھا ہے کہ اس کی چند سطرین ترجمہ کی صورت مین ہم پیش کرتے ہین جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اُن کی فارسی نثر بھی دلچسپی اور طرز ادا مین اُن کی نظم سے کسی طرح کم نہین ہے۔ فرماتے ہین۔

اس نامہ نگار کے آباواجداد افراسیاب اور پشنگ کی نسل سے تھے اور باکرو فر حکمران تھے جو نہین تور کے نور دیدہ (بیٹے) کا چراغ ہستی کیخسرو کے کینے کی باد آستین سے گل ہو گیا پشنگ کی اولاد کو روز سیاہ دیکھنا نصیب ہوا جو لوگ تاج و تخت کے مالک تھے چشم زدن مین اُن کے ساز و سامان مین سے اُن کے ہاتھ مین سوائے تلوار کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ اپنے ملک کو چھوڑ کر پرائے ملک کا رخ کیا جہان لڑائی بھڑائی کی اجرت سے زندگی بسر کرتے تھے انھین لوگون مین سے جن کے محل نیستان اور جن کے نشیمن پہاڑ تھے سلجوقیون نے دوسری مرتبہ اپنے سر کو تاج سے اور اپنے تاج کو موتیون سے آراستہ کیا مگر چرخ کجمدار نے جیسا کہ اسکی عادت ہے اُن کا دس کے ڈنکے والے نازرو کو بھی برقرار نہ رکھا اسی قافلے کے پیچھے پیچھے لوگون مین میرے دادا جن کا مسقط الراس سمرقند تھا ایک سیلاب کیطرح جو بلندی سے پستی کیطرف آتا ہے سمرقند سے ہندوستان آئے اور ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خان کے ملازم ہوئے۔ اور پرگنہ پہاسو اُن کی اور اُن کی فوج کی جاگیر مین ملا میرے باپ بھی اپنے باپ کا پیشہ (سپہ گری) کرتے تھے اور لڑائی مین مارے گئے۔

اپنے علوی خاندان اور خاص کر ایرانی النسل ہونے پر مرزا صاحب کو اتنا فخر ہے کہ اُس کا تذکرہ اپنے کلام مین مختلف طریقون سے بار بار کرتے ہین مگر اس لطف سے کرتے ہین کہ پڑھنے والے کا جی نہین اکتاتا اور اُن کا فخر عالی نسبی کوئی بیجا ڈینگ نہین معلوم ہوتی اس وجہ سے کہ اُسکے ساتھ یہ ضرور رکھتے ہین کہ ہم کہان سے کہان آئے اور کیا سے کیا ہو گئے۔ ذیل کے شعرون مین یہی پُر لطف اشارے ہین۔

ایسے اشعار جن مین آخر نسب پر تفاخر کیا ہے

غالب از خاک پاک تورانیم — لاجرم در نسب فرہ مندیم
ترک زادیم و در نژاد ہمی — بہ سترگان قوم پیوندیم

ایبکیم از جماعت اتراک   در تمامی ز ماہ دہ چندیم

(ایک ترکی مین ماہ کامل کو کہتے ہین اب دوسرے مصرع کا لطف ملاحظہ فرمایئے)

فیض حق را کمینہ شاگردیم   عقل کل را مہینہ فرزندیم

بہ تلاشے کہ ہست فیروزیم   بہ معاشے کہ نیست خورسندیم

ہمہ بر خویشتن ہمی گرییم   ہمہ بر روزگار می خندیم

یہی اپنی قابلیت اور جوہر ذاتی اور اس کے ساتھ زمانہ کی ناقدر دانی عجب دردناک طریقے سے جا بجا بیان کی ہے جس سے دل پر خاص اثر پڑتا ہے فرماتے ہین۔

در شرب با خواہش فردوس نخواہی   در مجمع با طالع مسعود نیابی

در بادہ ز اندیشۂ ما گرد نہ بینی   در آتش ہنگامۂ ما دود نیابی

یہ انسان کا کلام ہے یا سروش غیبی کی آواز؟ فرماتے ہین "ہمارے مذہب مین جنت کی خواہش، ہمارے ستارون کے مجمع مین طالع سعد ہماری شراب فکر مین تلچھٹ۔ اور ہماری آتش شعر مین دھوان تم ہرگز نہ پاؤگے" علاوہ شعر کی ظاہری سجاوٹ یعنی صنعت سجع اور طباق کے تخیل اتنا بلند اور تشبیہات اتنی لطیف ہین کہ اس کی مثال فارسی شاعری مین بھی مشکل سے ملے گی مغرب کی شاعری کو یہ بات نصیب کہان اگر کسی صاحب کو اسی قسم کا تخیل ایسی ہی تشبیہات اور ایسا ہی درد اتنے ہی الفاظ مین کسی دوسری شاعری مین معلوم ہو تو براہ مہربانی وہ ان اشعار کے سامنے اس کو رکھین اور ان سے اس کا موازنہ کر لین۔

با این فروغ گوہر رخشانی نہاد   زینسان سیاہ روز کرا کرد روزگار

فروغ گوہر رخشانی نہاد اور سیاہ روز کی ترکیب دیکھنے کے قابل ہے تین مختصر لفظون سے تین باتین (۱) اپنی عالی نسبی (۲) ذاتی قابلیت (۳) بدنصیبی کیسی علی الترتیب خوبی سے بیان کی ہے۔

میراث جم کہ مے بود اکنون بمن سپار   زین پس رسد بہشت کہ میراث آدم است

(دادا جمشید کی میراث یعنی شراب پہلے مجھ کو دے دو اس کے بعد پردادا آدم کی میراث یعنی بہشت بعد کو دیتے رہنا) کیا شوخی اور حسن طلب ہے عمر خیام اور خواجہ حافظ کے یہان ایسے مضامین بکثرت ہین اور ان کا جواب دنیا مین نہین۔ اگر ان کے کلام کے

منا ظم یہ شعر رکھ دیا جاے تو اس کا علیحدہ کرنا مشکل ہو گا -

اس قسم کے جواہر کہان تک پیش کیے جائین جن حضرات کو زیادہ شوق ہو وہ اصل معدن کو خود تلاش کرین اور ایسے بیش بہا جواہر خود پرکھین تو زیادہ لطف آئے گا - مرزا صاحب کے نسب کو تورا بن فریدون تک پہونچانا تو کسی نسب دان مفتش کا کام ہو گا - ہم کو ان کے کلام شیرین سے غرض ہے - مرزا صاحب کو ایرانی النسل ہونے کے علاوہ شاہزادگی کا بھی دعوی ہے اور وہ بھی ہمارے نزدیک بالکل صحیح اور حق بجانب ہے - کیونکہ اُن کا فارسیت کا سچا عشق اور اُن کی عالی ظرفی اسی کی مقتضی ہے ہم کو ان کے نسب کی جانچ پڑتال کی کوئی ضرورت نہین ہے انگریزی مین ایک مثل ہے کہ جہان نادانی پرلطف ہو وہان دانائی حماقت ہے ہم کو اسی پر عمل کرنا چاہیے

اُن کی تعلیم کا اثر اُن کے کلام پر

جس طرح مرزا صاحب کے ایرانی النسل ہونے کا خیال اُن کی شاعرانہ بلند پروازی کا ایک شہپر ہے اسی طرح ان کی تعلیم خاص کر ملا عبد الصمد نامے ایک پارسی النسل شخص کا سایۂ عاطفت جو اتفاق سے مرزا صاحب پر اُن کی ابتدائی عمر مین پڑ گیا تھا اُن کے صحیح ذوق فارسیت کا بڑا ممد و معاون ہے - یہی وہ بزرگ ہین جن کی صحبت اور فیض تربیت سے غالبًا مرزا کو فارسی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا ہو گا - ان کا کچھ حال آگے عرض کرون گا - مرزا صاحب کے وقت تک فارسی تعلیم اسی طرح ضروری تھی جیسا کہ اس زمانے مین انگریزی - عدالت - دربار - سوسائٹی سب مین فارسی کا دور دورہ تھا شاہی دربار اور سوشل جلسون مین فارسی دان آنکھون پر بٹھائے جاتے تھے - تمام اُن کے معاصرین مومن صہبائی - شیفتہ - نیر - آزردہ - سب فارسی کے بڑے بڑے اسکالر تھے - مرزا صاحب کے دو ثلث خطوط جو انھون نے دوستون اور عزیزون کو لکھے ہین فارسی ہی مین ہین جس طرح ہم آپ تھوڑی سی انگریزی جانکر مائی ڈیر سے خط شروع کر دیتے ہین اور بے تکلف انگریزی اُڑاتے ہین اُس زمانے مین تمام روزمرے کے معاملات - شادی بیاہ کے رقعے سرکاری کاغذات سب فارسی مین تحریر ہوتے تھے - تمام شعرا اردو کے کلام مین فارسی الفاظ کا اردو سے اختلاط پوری طرح ثابت کرتا ہے کہ اُن کی تعلیم کتب درسیہ عربی و فارسی مین اچھی طرح ہوئی تھی افسوس ہے مرزا کی ابتدائی تعلیم کی حالت ہم کو اچھی طرح نہین معلوم یادگار مین صرف اسی پر اکتفا کی ہے کہ آگرہ کے ایک نامور معلم شیخ معظم کے پاس بچپن مین وہ پڑھتے تھے - انگلستان مین دستور چلا آتا ہے کہ مدارس ابتدائی (گرامر اسکول) مین ایسے رجسٹر مرتب رکھے جاتے ہین جن سے طلبہ کی

تعلیمی حالت۔ اُن کی قابلیت۔ اور اُن کا زمانۂ تعلیم یہ سب کچھ اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے اگر
اسی وجہ سے وہان کے شعرا اور دیگر اکابر کے ابتدائی حالات جو دلچسپی سے خالی نہین
ہوتے انھین رجسٹرون سے معلوم ہو جاتے ہین اور سوانح نگار کو بڑی مدد دیتے ہین۔
بہر طور جیسا کہ ازل سے دستور چلا آتا ہے ایسے طبّاع اور ذہین لوگ کسی اُستاد کے
تو برائے نام شاگرد ہوتے ہین مگر اصلی فیض مبدأ فیاض سے حاصل کرتے ہین۔ سعدی
حافظ۔ انوری۔ خاقانی۔ شیکسپیر۔ ملٹن کے اُستادون کے نام کون شخص جانتا ہے؟
ایک ہی سرچشمہ ہے جس سے یہ سب فیض یاب ہوئے ہین۔ مرزا صاحب نے اس واقعے
کو بھی اپنے خاص انداز مین اور عجیب پُر لطف طریقے سے بیان کیا ہے۔

باخذ فیض ز مبدا ر فرو زمم از اسلاف ۔ کہ بودہ ام قدرے دیر تر در آن درگاہ
ظہور من بجہان در ہزار و بست و دویست ۔ ظہور خسرو و سعدی بشش صد و پنجاہ

یعنی میرا زمانہ ۱۲۲۰ھ ہے اور خسرو اور سعدی کا ۶۵۰ھ۔ اس کو اس طرح ادا کیا
کہ مین خسرو اور سعدی سے ۵۷۰ برس (جو ۱۲۲۰ھ اور ۶۵۰ھ کا فرق ہے) زیادہ
مبدأ فیاض کی خدمت مین حاضر رہا اور ظاہر ہے کہ اُستاد کے پاس ایک دن کی زیادہ
حاضری بھی شاگرد کی معلومات مین کس قدر فرق کر دیتی ہے؟ اسی سے میرا اور اُن
لوگون کا فرق نکال لو۔

مرزا کو کسی کالج یا یونیورسٹی کی تعلیم نہین نصیب ہوئی تھی کسی مستشرق یا
السنۂ مشرقیہ کے ماہر کے آگے اُنھون نے زانوے شاگردی نہین تہ کیا تھا جس زمانے
مین وہ اپنے زمانۂ طفولیت مین آگرے مین رہتے تھے ایک پارسی نو مسلم عبد الصمد نام
سیاحی اور آوارہ گردی کرتا ہوا وہان پہونچا اور دو برس تک مرزا ہی کے پاس
رہا۔ ہمارے نزدیک یہ شخص ایسا ہی ہوگا جیسا کہ مسٹر نکلسن نے حضرت شمس تبریز
علیہ الرحمہ کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ کمل پوش دنیا کی تماشا گاہ پر اسٹیج کے ایک کونے
سے ظاہر ہوا۔ اور دنیا کو اپنی جھلک دکھلا کے چُپکے سے دوسرے کونے سے نکل گیا"
جس طرح شمس تبریز نے حضرت مولانائے رومی کو تھوڑے ہی عرصے مین اپنے
فیض صحبت سے عشق الٰہی سے سرشار اور دولت تصوف سے مالا مال کر دیا اور
خود بہت جلد رخصت ہو گئے۔ یہ نو مسلم مجوسی بھی دو ہی برس کے عرصے مین مرزا غالب

کو دولت زبان سے مالا مال کر کے اور فارسیت کا صحیح جذبہ اُن کے دل مین پیدا کر کے اور رموز سکھلا گئے چل دیا۔ مگر خود بھی نوعمر شاگرد کا خیال اپنے ساتھ لیتا گیا چنانچہ کسی دور دراز مقام سے ایک خط ان کو لکھا تھا جس مین لکھتا ہے کہ "اے شخص تو کیسا آدمی ہے کہ باوجود اس بے تعلقی اور آزادی کے جو مجھ کو ہے تیرا خیال کبھی کبھی میرے دل مین آجاتا ہے" اسی شخص نے غالباً مرزا غالب کو مذہب مجوس کے رموز و اسرار اور پارسیون کی مذہبی کتاب دساتیر کی تعلیم کی ہوگی کیونکہ مرزا اس کو تیسار کہتے تھے جو پارسیون مین نہایت تعظیم کا لفظ ہے۔ اور ان کے کلام مین اکثر جگہ ایسے لفظ آجاتے ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پارسیون کے طریقۂ عبادت اور رسوم مذہبی سے بخوبی واقف تھے مثلاً بہ رسم گزار۔ زمزم سرا۔ وغیرہ ان کو بھی اپنے اُستاد کے ساتھ بڑی محبت اور عقیدت تھی چنانچہ فرماتے ہین

"ہستی بخش را سپاس کہ نیرو فزاے دانش من دانشمندے کسے است اگر
چنانکہ راز دان بود راز گو نیز بودے ششمین ساسان بشمار آمدے"

(خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میرا اُستاد ایک ایسا شخص ہے جو اگر اپنے راز کو ظاہر کر دیتا تو چھٹا ساسان ہوتا) چار ساسان ایران مین قدیم الایام مین گذرے ہین پانچوان ساسان وہ تھا جس نے دساتیر کا ترجمہ زند سے دری مین کیا۔ اور چھٹا مرزا صاحب اس کو بتلاتے ہین۔ اس سے اس کی قدر و منزلت جو مرزا صاحب کے دل مین تھی بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔

مرزا صاحب کا مذہب اور اُسکا اثر اُن کی شاعری پر

مرزا صاحب کے مذہب کی گفتگو گذشتہ دونون باتون سے زیادہ دلچسپ اور پُرلطف ہے اس وجہ سے ہم اُس کو کسی قدر وضاحت سے بیان کرنا چاہتے ہین مرزا صاحب کا آبائی مذہب یقیناً حنفی تھا۔ مگر خود ان کے مذہب مین اختلاف ہے اور نہایت دلچسپ اختلاف ہے وہ اس قدر مرنج و مرنجان اور وسیع الاخلاق اور اس قدر دل آزاری سے بیزار واقع ہوئے تھے کہ سنی اور شیعہ دونون اُن کو اپنا ہی خیال کرتے تھے یہان تک کہ مثل گورونانک کی لاش کے ان کے جنازہ پر بھی تنازع واقع ہوا۔ سید صفدر سلطان نبیرہ نجفی محمود خان نے نواب ضیاء الدین خان سے جو مرزا صاحب کے عزیز تھے درخواست کی کہ وہ ان کو بطریق شیعہ دفن ہونے دین مگر نواب صاحب نے منظور نہین کیا۔ مختصر یہ کہ

تمام مراسم اہل سنت کے موافق ادا کیے گئے، یہ یادگار کی عبارت ہے آبحیات مین لکھا ہی کہ "اہل راز اور تصنیفات سے بھی ثابت ہے کہ اُن کا مذہب شیعہ تھا۔ اور لطف یہ تھا کہ ظہور اس کا جوش محبت مین تھا نہ کہ تبرّا و تکرار مین" سچ یہ ہے کہ گو کہ مرزا صاحب خاندانا سنّی تھے مگر اُن کا میلان طبیعت قطعًا اور یقینًا شیعیت کی طرف تھا جس سے انکار نہین ہو سکتا۔ خود فرماتے ہین ؎

منصور فرقۂ اسد اللّٰہیان ستم — آوازۂ انا اسد اللّٰہ در افگنم

اور ؎

ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم

اگر کہا جائے کہ "شیعی کیسے کہ ماورالنہری" یہ بھی تو اُنھین کا کلام ہے۔ مگر اُس کے جواب مین مولانا حالی نے بہت سچ لکھا ہے کہ "یہ تفنن طبع کے طور پر تھا اور معترضین کو چپ کرنا مقصود تھا" اور اگر ایمان اور انصاف کی بات پوچھی جائے تو مرزا نہ شیعہ تھے نہ سنی۔ اُن کا مذہب عشق تھا جو محبت علی بن ابی طالب مین جلوہ گر ہو گیا تھا۔ جس طرح کسی بیل کو بڑھنے اور پھیلنے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مرزا اپنے جذبات محبت کو پھیلانے اور اُن کی نشو و نما کے واسطے کسی مادی ہستی کو ڈھونڈھتے تھے۔ اور وہ اُنھون نے صاحب ذوالفقار قاطع اساس الکفار حضرت علی مرتضیٰ کرم اللّٰہ وجہہ کی ذات اقدس مین پائی تھی۔ مرزا صاحب کا اصلی تصوف یہی فنا فی العلی تھا۔ گو کہ اُنھی کے سیکڑون اشعار تصوف کے رنگ مین ہین اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو اُن سے بڑھ کر حضرت امیر خسرو کے علاوہ شاید ہی کسی ہندوستان کے شاعر نے بیان کیا ہو مگر پھر بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقے کو وہ رسمًا برتتے ہین اُن کے اشعار اس رنگ کے دل کو اتنا بیچین نہین کرتے جس قدر منقبت جناب امیر علیہ السلام کے۔ اُن کو پڑھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ جوش عقیدت اور فرط محبت سے وہ ممدوح کو اپنی آنکھون سے دیکھ رہے ہین۔ اور اُسکی تعریفین کرتے کرتے اس پر اپنی جان قربان کر دینا چاہتے ہین۔ گو کہ اُن کے عشق مین وہ عمق اور ہمہ گیری نہین ہے جو ہمارے اولیاء کرام رحمۃ اللّٰہ علیہم کے کلام مین ہے۔ اور اُسکو پڑھ کر ہم کو وجد و حال نہین آ سکتا مگر خود مرزا کا وجد و حال جو ہم دور سے دیکھتے ہین ہم کو تڑپا دیتا ہے اور بیچین کر دیتا ہے۔ وہ کبھی کبھی دفور جذبہ مین ایسی باتین بھی کہہ جاتے

ہین جو جانبین کے درمیان ما بہ النزاع ہین۔

شرط است کہ بہر ضبط آداب و رسوم　　خیزد بعد از نبی امام معصوم

ز اجماع چہ گوئی بہ علی باز گرائے　　مہ جائے نشین مہر باشد نہ نجوم

(مذہب کے قیام اور ضبط کے لیے (بہ عقائد شیعہ) نبی کے بعد امام کی ضرورت ہے (بہ عقائد اہل سنت) اجماع کا کیا ذکر کرتے ہو آفتاب کا جانشین ماہتاب کو ہونا چاہیے نہ کہ ستارون کو) مگر اس لطف و خوبی سے اور ایسے شاعرانہ طریقے سے کہتے ہین کہ نہ تو سُنیون کو اُس سے بگڑنا چاہیے اور نہ شیعون کو اس سے کوئی مذہبی استدلال کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ مرزا شاعر تھے نہ کہ مولوی یا فقیہ جس طرح اُن کو فن تاریخ سے رغبت نہ تھی۔

ما قصہ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم　　از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

اسی طرح وہ مذہبی مناظرون اور مناقشون سے کوسون بھاگتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کے محترم دوست مولوی فضل حق صاحب نے اُن سے فرمائش کی کہ وہابیون کے رد مین ایک مثنوی لکھو جس مین نظیر خاتم النبیین کی امتناع اور محال ہونا ثابت ہو جائے۔ چونکہ یہ جھگڑے کی چیز تھی پہلے اُنھون نے بہت عذر کیا آخر کار مجبور ہو کر تعمیل حکم کی اور ایک مثنوی لکھ دی اگر کسی کو اس کے دیکھنے کا شوق ہو اُن کے مجموعۂ مثنویات مین اُس کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ مذہبی مسائل مین بھی اُن کی شگفتہ نگاری اور شاعرانہ رنگ آمیزی نہین جاتی۔

مرزا صاحب کا مشہور قصیدہ منقبت شریف مین	ہم ابھی کہہ چکے کہ مرزا کو جناب امیر علیہ السلام کی ذات والاصفات کے ساتھ اس قدر تعلق تھا کہ وہ شیفتگی اور عشق کے درجے تک پہونچ گیا تھا اس کے ثبوت مین ہم اُن کا وہ قصیدہ پیش کرتے ہین جس کا مطلع ہے۔

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہین　　ہم کہان ہوتے اگر حُسن نہ ہوتا خود بین

چونکہ یہ مشہور قصیدہ ہے اُس کی محض نقل کر دینے سے بہتر ہوگا کہ ہم اس کا مطلب جیسا کہ ہماری ناچیز سمجھ مین آیا ہے اپنے الفاظ مین ادا کرتے جائین مگر شرح کی طرح نہین بلکہ لفظی ولید سمجھ تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ شاہد معنی کی حقیقی جلوہ گری اور دلربائی کسی خاص لباس کی محتاج نہین اُن کا کلام نظم و نثر ہر صورت مین شعر ہے۔

(۱) عالم ایک آئینہ ہے جس مین تمام چیزین معشوق حقیقی کے عکس ہین

(۲ سے ۶ تک) جبرت وذوق۔ دین ودنیا ہستی وعدم ہوشیاری و دیوانگی۔ ظاہروباطن سچ اور جھوٹ۔ عقل اور عبادت۔ تسلیم ورضا وتا تمکین عشق ووصل۔ یہ سب لغو اور مہمل اور خود تراشیدہ الفاظ ہیں۔ جن کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں۔

(۷) فرہاد عاشق نہ تھا بلکہ اپنے رقیب کی عشرت گاہ کا ایک مزدور تھا۔ اور بے ستون پہاڑ نہ تھا۔ بلکہ شیرین کی گہری نیند یعنی بے پروائی مجسم تھی۔[۱۵]

(۸) عاشقوں کے یہ سب جھوٹے دعوے ہیں کہ ہماری آہیں گرم اور ہمارے نالے بااثر ہیں۔

(۹) اہل جہان کی نغمہ سرائیاں سب سن رہا ہوں لیکن نہ کسی کی تعریف کا مجھے دماغ ہے اور نہ کسی کی مذمت کا مجھے خیال۔

(۱۰) خدا کی پناہ! کس قدر مہمل بک رہا ہوں اور رجا دہ ادب سے کتنا ہٹ گیا ہوں۔

(۱۱) اے قلم ایسی لغو باتوں پہ لاحول پڑھ اور اے عقل "یا علی" کہہ کے آگے بڑھ اور عرض کر (اصل خطاب سات شعروں کے بعد شروع ہوتا ہے)

(۱۲) کون علی جو فیض خدا کے مظہر۔ خاتم المرسلین کے جان ودل آل نبی کے قبلہ۔ ایجاد یقین کے کعبہ۔

(۱۳ و ۱۴) جس مقام پر وہ حضرت تشریف لے جائیں وہ جگہ اُن کے قدم کی برکت سے تصویر ہو جائے اور اس قدر متبرک ہو جائے کہ دونوں عالم اُس سے عزت حاصل کریں

(۱۵) آپ کی کنیت (ابو تراب) کی شرکت سے زمین (تراب) کو اس قدر فخر حاصل ہے کہ آسمان اُس کے آگے بحالت رکوع جھکا گیا ہے۔

(۱۶) پھولوں سی ہوا ہرگز معطر نہیں ہو سکتی اگر آپ کا خلق عمیم اُسکے شامل

[۱۵] اس خیال کو میڈیم ڈی اسٹیل کے اس مقولہ سے مقابلہ کرنا چاہیے کہ فن تعمیر ایک منجمد موسیقی ہے۔

حال نہ ہوتا۔

(۱۷ و ۱۸) آپ کی تلوار اس قدر تیز ہے کہ خدا کی پناہ! اگر آپ کو غصہ آجائے تو ممکن ہے سر رشتہ ایجاد منقطع ہو جائے اور اگر کفر سوزی آپ کو منظور ہو تو بتخانہ چین کی ساری رونق دم بھر مین مٹ جائے۔

(۱۹) اے جان پناہ! اے میرے دل و جان کے فیض رسان! اے بادشاہ! بیشک تو حضرت رسالت آب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وصی ہے۔

(۲۰) اس رتبے کو تو دیکھو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کندھا تیرے جسم اطہر کے لیے منبر اور تیرا نام نامی عرش اعظم کے پیشانی کے واسطے نگینہ ہے۔

(۲۱) سوا خدا کے تیری تعریف کس سے ممکن ہے؟ اور شمع پر حکومت سوائے شمع کی لو کے کون کر سکتا ہے؟

(۲۲) تیرے آستانے کے آئینہ سنگ مین جو جوہر ہین وہ حضرت جبرئیل کی ناصیہ فرسائی کے نشان ہین۔

(۲۳ و ۲۴) ہم خاکیون کے پاس جو کچھ ہے ہماری جان و دل اور دین سب تجھہ پر نثار ہین۔

(۲۵) ہمارے دل و جان تیری تعریف مین ایسے ایک ہو گئے ہین جیسے تالو اور زبان اور ہم تو ہم لوح و قلم بھی تجھ کو تسلیم کرتے ہین اس طرح کہ قلم کا ماتھ لوح کی پیشانی کو چھو لیتا ہے۔

(۲۶) ممدوح خدا کی تعریف کس سے ممکن ہے اور جنت کی آرائش کون کر سکتا ہے؟

(۲۷) گنہگار اسد اللہ غالب کا تیرے سوا کوئی پوچھنے والا نہین۔

(۲۸) وہ اپنی عرض مطلب مین اسی وجہ سے گستاخ ہے کہ تیرے رحم و کرم پر بھروسہ رکھتا ہے۔

(۲۹) میری حسب ذیل دعائین قبول کر یعنی

(۳۰) امام مظلوم کے غم سے یہ سینہ اس قدر لبریز ہو جائے کہ جگر کا خون آنکھون مین چھلک آئے۔

(۳۱) تیرے راہوار دلدل کے ساتھ مجھ کو اس قدر عشق نصیب ہو کہ جہان

اُس کا قدم پڑے وہاں میں اپنی پیشانی رکھ دوں۔

(۳۲) مجھ کو دل الفت انتساب، سینۂ توحید فضا، نگاہ جلوہ پرست اور نفس صدق آگین عنایت کر۔

(۳۳) تیرے دشمن ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلیں اور تیرے دوستوں کو جنت کے گل و سنبل کی بہار نصیب ہو۔

یہ قصیدہ ہم نے اس طریقے سے یہاں پر اس وجہ سے نقل کیا کہ شاعر اور غیر شاعر سب دیکھ لیں کہ مرزا کی کمال شاعری کا ایک بہت بڑا عنصر یہی جذبۂ دینی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اُن کے کلام میں اور معمولی لوگوں کے کلام میں چنداں فرق نہ ہوتا۔

مرزا صاحب کا خاص طریقہ حمد و نعت

مرزا غالب پر بڑا ظلم ہوگا اور اُن کے ساتھ سخت بے انصافی ہوگی اگر ہم اُن کے جذبۂ منقبت کے ساتھ اُن کے جوشِ حمد و نعت کو بھی نہ بیان کریں۔ مرزا کی نسبت بعض کوتاہ نظروں کا یہ خیال ہے کہ وہ دہری تھے۔ اور خدا و رسول کو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ خود اُن کے زمانے میں بھی یہی چرچا تھا اسی کے جواب میں اُنھوں نے کہا تھا ع

دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی۔ اور یہ کہہ کر اپنی جان معترضوں سے بچا لی تھی۔ اب بھی اسی قسم کے خیالات بعض لوگوں کو پریشان کرتے ہیں چنانچہ ہمارے دوست پروفیسر محمد ظریف مرحوم اپنی دہریت کا عکس مرزا غالب میں بھی دیکھتے تھے اور اُن کے اس قسم کے اشعار سے مثلاً

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن — دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

اُنھوں نے نتیجہ نکال لیا تھا کہ مرزا جنت و دوزخ حشر و نشر جزا و سزا کے قائل نہ تھے۔ سچ ہے "کل اناء یترشح بما فیہ"۔ اصل یہ ہے کہ وہ پکے موحد اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت پر ایمان کامل رکھتے تھے۔

وہ پکے موحد تھے

بادشاہ کے حکم سے ایک کتاب اوراد و وظائف کی تیار کی گئی تھی۔ اُس کے دیباچے میں اوراد و اشغال کی فضیلت کی نسبت اس طرح رقم طراز ہیں۔

حق یون ہی کہ حقیقت از روے مثال ایک نامہ در ہم پیچیدہ سربستہ ہی کہ جس کے
عنوان پر لکھا ہے ۔ لاموجود فی الوجود الا اللہ ۔ اور خط مین مندرج ہی ۔ لا موجود
الا اللہ ۔ اور اس خط کا لا معبود الا اور اس راز کا بتانے والا وہ نامہ دہ اور نام
آور ہے کہ جس پر رسالت ختم ہوئی ۔ ختم نبوت کی حقیقت اور اس معنی غامض کی
صورت یہ ہے کہ مراتب توحید چار ہین ۔ آثاری ۔ افعالی ۔ صفاتی ۔ ذاتی ۔ انبیاے
پیشین صلوات اللہ علی نبینا وعلیہم اعلان مدارج سہ گانہ پر مامور تھے ۔ خاتم الانبیا
کو حکم ہوا کہ حجاب تعینات اعتباری اُٹھا دین اور حقیقت بیرنگی ذات کو صورت
الآن کما کان مین دکھا دین ۔ اب گنجینۂ معرفت خواص امت محمدی کا سینہ ہے ۔ اور
کلمۂ لا الہ الا اللہ مفتاح باب گنجینہ ہے ۔ رہے عامۂ مومنین تو وہ اس کلام
سے صرف نفی شرک فی العبادۃ مراد لیتے ہین اور نفی شرک فی الوجود جو اصل مقصود
ہے اُن کے نظر مین نہین مگر جب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہین گے
اسی توحید ذاتی کے اعتقاد کی قدمگاہ پر آ رہین گے یعنی ہماری اس کلمے سے وہ
مراد ہے جو خاتم الرسل کا مقصود تھا یہی حقیقت ہی شفاعت محمدی کی اور یہی
معنی ہین رحمۃ للعالمین ہونے کے اور اسی مقام سے ناشی ہے ندائے روح
افزاے "من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ"

حمد و نعت اور منقبت مین فرق

اس مختصر سے اُن کے اصلی اعتقادات کا پتہ لگ جاتا ہے اور وہ ہم کو ایک سچے صوفی نظر آتے
ہین اور یہ بات بھی دیکھنے کے قابل ہی کہ اُن کے تینون جذبات یعنی حمد و نعت و
منقبت مین بڑا فرق معلوم ہوتا ہے حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب
کرم اللہ وجہہ کے تو وہ سچے عاشق ہین مگر دربار احدیت اور رسالت کا وہ اپنے تئین ایک
ادنیٰ تابعدار اور غلام تصور کرتے ہین اور سمجھتے ہین کہ اُن دونون سرکارون سے مین عاجزی
کر کے گڑگڑا کے کسی نہ کسی طرح اپنا کام نکال لون گا ۔ کیونکہ ایک کی سخاوت و رحم اور دوسرے
کی شفاعت اور چارہ سازی مشہور ہے ۔ وہ اپنے تئین ایک ایسا غلام خیال کرتے ہین جو آقا
کے مزاج مین درخور رکھتا ہو اور اُس کو اچھی طرح سمجھتا ہو ۔ اور جانتا ہو کہ مین اگر کوئی
نافرمانی کردن گا تب بھی وہ درگذر کرے گا کیونکہ وہ مجھ پر خاص نظر عنایت رکھتا ہے ۔ سید
انشا کا نواب سعادت علی خان کے ساتھ اور نعمت خان عالی کا اورنگ زیب کے ساتھ جو تعلق تھا

وہی مرزا غالب کا خدا اور اس کے رسول کے ساتھ ہم کو نظر آتا ہے۔ آتشا اور غالب یہ خوب سمجھتے تھے کہ ہم جو جی چاہے کریں بادشاہ کا جی خوش کر کے اس کو راضی کر لیں گے۔ اسی طرح غالب گناہ کرتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ روزہ نہیں رکھتے تھے۔ نماز کے بھی شاید ہی پابند ہوں۔ اور پھر بھی حوصلۂ گناہ باقی تھا۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک　　میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

یہ سب کچھ تھا مگر خدا کو ارحم الراحمین اور رسول کو رحمۃ للعالمین دل سے سمجھتے تھے اور ان کا دلی اعتقاد تھا کہ خدا بے نیاز اور رسول اس کا بندہ نواز ہے۔ جو کچھ کروں گا بلا پرسش بخش دیا جاؤں گا۔ کیونکہ وہاں بخشش رحمت اور شفاعت پر موقوف ہے نہ کہ ہمارے اعمال کی جانچ پڑتال پر۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر میں یہاں برانڈی پیوں تو وہاں شراب طہور سے کیوں محروم رہوں گا؟ کیا ساقی کوثر (معاذ اللہ) بخیل ہے؟

کل کے لیے کر آج نہ خست شراب میں　　یہ سوءِ ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

ان کی فلسفہ یہ تھی کہ فی الحقیقت رحمت اور شفاعت اسی کی مقتضی ہیں کہ گناہ کیا جاوے اور بخش دیا جاوے۔ اگر گناہ کا وجود عالم میں نہ ہوا اور ہر شخص متقی اور پرہیزگار ہو جائے تو پھر ان دونوں صفتوں کا موقع استعمال اور مصرف کیا ہوگا۔ اور یہ معطل رہ جائیں گی۔

موقوف جرم ہی پہ کرم کا ظہور تھا　　بندے اگر قصور نہ کرتے قصور تھا (امیر)

مگر یہ ضرور ہے کہ مرزا کے نماز و روزے کا مفہوم ہم دنیا داروں کے مفہوم سے بلند تر ہے۔ ہماری نماز کا مقصد یہی کہا جا سکتا ہے کہ جنت ملے۔ مگر مرزا صاحب اس عبادت کو جو حسبۃً للہ نہ ہو اور کسی فائدے کے لالچ میں کی جاوے بیکار سمجھتے ہیں۔

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

مرزا صاحب گناہ کے مرتکب ہوتے تھے مگر عادت کی مجبوری سے ڈھٹائی سے نہیں۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتے تھے۔ نمائش کے خیال سے نہیں۔ شراب لوگوں کے دکھانے کے لیے یا نشاط کی غرض سے نہیں پیتے تھے بلکہ افکار دنیوی سے بچنے کے لیے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو　　اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

اور شعر کہنے کی غرض سے۔

بے ہے کہ مدد ادا بامست خامہ روانی　　سرو رستہ ہوا آتش بے دود کجائی

روزہ غالبًا اس وجہ سے نہیں رکھتے تھے کہ۔

جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو   روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے۔

شراب چھپا کے پیتے تھے۔ مگر اُن کی شراب خواری سب پہ عالم آشکارا تھی کیونکہ اُن میں تصنع اور ریاکاری کی بو نہ تھی جس طرح حافظ اُن لوگوں کو جو انگور توڑتے اور تخمیر کے واسطے اُن کو کچلتے ہیں لاکھوں دعائیں دیتے تھے اُسی طرح مرزا بھی "قزانہ" (ہمیشہ اس کے جو اُن کا پیدا ہو شراب پہونچانے والا) تھا علانیہ دل سے معترف تھے۔ اُنھوں نے جس لُطف سے شراب کی تعریفیں اپنی نظم و نثر اردو و فارسی دونوں میں کی ہیں اگر یکجا کر دی جاویں تو خیّام اور حافظ کے خمریات سے کسی طرح کم نہ ہوں گی۔

اُن کی حمد و نعت کا خاص رنگ

ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ مرزا غالب کی حمد و نعت بھی اُن کی منقبت کی طرح ایک خاص رنگ رکھتی ہے۔ اور اُس سے لطافت اور رنگینی اور زیر و درد و اثر میں کسی طرح کم نہیں اس کے ثبوت میں ہم اُن کے چند اشعار حمد و نعت اور مناجات کے جو ہمارے نزدیک اپنے رنگ میں بے مثال ہیں آپ کو سُناتے ہیں۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسی شوخی اور رنگینی آپ کسی دوسری مناجات میں نہ پائیں گے۔ مرزا نے ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام "ابر گہربار" ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات بالتفصیل اُس میں بیان کیے جائیں۔ مگر کچھ ایسے موانع پیش آ گئے کہ وہ اُس کو پورا نہ کر سکے اور وہ ناتمام رہ گئی۔ اُس کے چند اشعار جگہ جگہ سے سلسلہ وار صورت میں لطور ایک سین کے آپ کے سامنے ہم پیش کرتے ہیں۔ حمد کے خوب خوب اشعار رکھے ہیں۔ آخر کا ایک شعر یاد رکھ سن لیجیے اور تصوف کا رنگ ملاحظہ کیجیے۔

ہر شکوہ کہ آوری سوے اوست   خود آن نہ کہ آوردہ بہ پیمانہ دست

مثنوی ابر گہربار کے چند اشعار کا ترجمہ ایک سین کی صورت میں

اب یہ فرض کر لیجیے کہ بازار حشر گرم ہے۔ خداوند جل و علا تخت عرش پہ جلوہ افروز ہے لوگ جوق جوق اپنے نامۂ اعمال کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں ان میں بہت سے نیک اور برگزیدہ بندے ہیں جن کے اعمال مشک کو شرما رہے کہ درخشان ہیں اور ان کے ساتھ کچھ ایسے بھی ہیں جو حسرت سے اپنا دل دھکڑ رہے ہیں اور شرم کے مارے سر نہیں اُٹھا سکتے اسی جماعت میں مرزا غالب بھی ہیں اس طرح کہ اُن کا سینہ غم کا ایک خزانہ اُن کی عمر ہمیشہ آگ اور پانی (تکلیف و مصیبت)

ہی مین گذری زندگی کی دشواریون سے دہ مُردہ تھے بغرض کہ وہ اپنے غم والم کی تصویر مجسم مین اور اُسی کو یاد کر کرکے وہ مشغول مناجات ہوگئے اور عرض کرنے لگے۔

"خداوندا میری ناکسی اور تہی دستی پر رحم کر میرے نامۂ اعمال کو ترازو مین نہ رکھ۔ اور بغیر تولے ہوے اُس کو بخش دے۔ خدایا میرے اعمال پر نظر نہ کر بلکہ اُن مصیبتون پر نظر کر جن سے میری زندگی لبریز تھی لاکھ خیال دوڑاتا ہون سواے تیرے قہر و جلال کے کوئی دوسرا نشان تیرا اپنے مین نہین پاتا۔ اور میری زندگی خوشی و غم کا مجموعہ تھی۔ مگر میرے پاس سواے غم کے اور کچھ نہ تھا۔ پھر اس غم کو کیا پوچھتا ہے جب کہ یہ سب تیری ہی عنایت تھی اور تو ہی ایک تازہ غم روز دیتا تھا۔ خدایا مجھ سے باز پرس نہ کر۔ بلکہ میری حسرتون اور ٹھنڈی آہون کا خیال کر۔ دنیا مین شاید ہی کوئی مجھ سا "مجیم دل" اور "تمہر پر نفس" پیدا ہوا ہو اپنی عزت و جلال کے صدقے مین مجھے بخش دے۔ اور سمجھ لے کہ ایک تنکے کو ہوا اُڑا لے گئی۔ اور وہ دوزخ مین جھونک دیا گیا۔ اور اگر یہی ضروری ہے کہ میرے اعمال کی جانچ کی جائے تو مجھ کو بھی گفتگو کی اجازت ملے۔ اور میری گستاخی معاف ہو۔ کیونکہ مصیبت زدہ ہمیشہ گستاخ ہوتا ہے" (یہان سے مناجات شروع ہوتی ہے)

"جب دل رنج و غم سے خون ہوگیا تو اُس کا چھپانا بے سود ہے اور جب تو بے کہے جانتا ہے تو نہ کہنے سے کیا فائدہ؟ زبان بھی تیری ہی ہے۔ اور گفتگو بھی تیری ہی ہے۔ اور تجھی سے ہے۔ یہ تو خوب جانتا ہے کہ مین کافر نہین ہون۔ آفتاب و آتش پرست نہین ہون۔ مین نے کسی کا خون نہین کیا کسی کا مال نہین مارا۔ البتہ شراب پیتا ہون جس سے میری زندگی ہے۔ مین اندوہگین ہون اور شراب اندوہ رُبا ہے۔ میرے مالک اگر نہ پیتا تو کیا کرتا؟ جو شراب عیش و نشاط کی غرض سے پی جاتی ہے اُس کا اور اُسکے تکلفات اور سازو سامان کا اگر تجھ کو حساب لینا ہے تو جمشید و بہرام سے لے نہ کہ مجھ غریب سے جس کو

کبھی کبھی بھیک مانگ کے مل جاتی تھی۔ مین اُس سے اپنا مونھ کالا کر لیتا تھا۔ نہ میرے پاس کوئی باغ تھا نہ شراب خانہ۔ نہ کوئی مطرب تھا نہ ساقی۔ نہ کوئی پری پیکر رقاصہ نہ کوئی دلفریب مغنی۔ اکثر بہارین بغیر شراب کی یون ہی نکل گئین۔ اور ایام بارش و شب ماہ میری آنکھون مین اکثر تیرہ و تار رہے۔ اکثر آسمان ابر بہمن سے بھرا تھا۔ مگر میرا جام سفالین شراب سے خالی تھا۔ بہارین آتی تھین اور نکل جاتی تھین اور مین مصیبت زدہ اپنے حجرے کا دروازہ بند کیے پڑا رہتا تھا۔ دنیا مین گل و لالہ کی بہار تھی مگر مین اپنی سیاہ روزی کی سیر کرتا تھا۔ رقص نشاط میرا رقص بسمل تھا۔ اور وہ بھی دل بھر کے نہین نصیب ہوا۔ اگر ایاغ ملا تو بوتل ٹوٹ گیا اور اگر شراب ملی تو ساغر ٹکڑے ہو لیا۔ ....

...... پھر نہ کوئی ایسا بادشاہ میری قسمت سے مجھ کو ملا کہ گنج و خزانہ مجھ کو دیتا جس کو مین حاجتمندون اور محتاجون کو لٹاتا۔ نہ کوئی ایسا نازنین میرے پاس تھا جس کے ناز مین اُٹھاتا اور بوسے لے کر اُس کے بال سنوارتا .... یہی محرومیان اور نامرادیان جب یاد آجاتی ہین تو قسم ہے تیرے عزت و جلال کی جنت سے میرا دل اُچاٹ ہو جاتا ہے۔ جو دل باغ مین بھی نہ لگے اُس کو دوزخ مین ڈالنا ایسا ہے جیسے کوئی جلتے ہوئے داغ کو آگ مین ڈالے۔ میرے مالک جنت مین مجھ حسرت نصیب کا دل کیونکر لگے گا؟ وہان نہ کوئی جام بلورین ہوگا نہ چہرۂ صبح کا نظارہ۔ نہ وہ مخمورانہ چالین وہان ہونگی نہ وہ مستانہ ہنگامے۔ اُس خاموش اور مقدس میخانے مین شراب خوارون کی ہنگامہ آرائیان کہان؟ اُس مین ابر باران کہان؟ جب خزان ہی وہان نہین ہے تو بہار کا کیا لطف؟ وہان کی حورون مین نہ لذت ہجر ہے نہ ذوق وصال۔ ایسے معشوق بہشت اور ایسا وصل بے انتظار کس کام کا۔ ایسے معشوق وہان کہان جو بوسے کے وقت ناز سے بھاگ جاوین اور جب اُن کو پکڑو تو قسمین دینے لگین۔ اُن کی اطاعت و فرمانبرداری ہمارے لیے قہر ہے۔ کیونکہ ہم کو تو ضد اور بات نہ ماننے مین لطف آتا ہے۔ وہان چھانک تاک اور نظر بازیان کہان۔ وہان کی دیوارون مین روزن کہان؟ .... یہی حسرتین دنیا مین بھی

مرنا جان کی عذاب تھیں۔ اور یہی یہاں بھی لایا ہوں۔ میرے اعمال جو تولے جاتے ہیں تو میری حسرتیں بھی تول۔ یہ بھلا کون سا انصاف ہے کہ گناہ سے گناہ کی حسرت بڑھ کے ہے؟ . . . . غرض کہ یہی کہہ سکے قیامت دن میں ایسا روؤں گا کہ عرش عظیم میں میرے گریے سے طوفان آجائے گا۔ اور اسی گریہ سے میری آبرو بڑھے گی۔ اور اگر حسرت کا بھی خون ہو گیا تو امید تو باقی ہے وہ کسی طرح نہیں مٹ سکتی۔ وہ یہ کہ یہ بندہ ناپارسا۔ گر مسلمان نما (غالب) تیرے فرمان کا تابع اور تیرے پیغامبر کا عاشق ہے۔" (یہاں سے نعت شروع ہوتی ہے)

محمد کز آئینہ روئے دوست — جدا نیستش ندانست دانا کہ اوست
زہے روشن آئینۂ ایزدی — کہ در وے نگنجیدہ زنگ خودی
ز رازِ نہان پردہ برزدہ — ز ذات خدا معجزے سرزدہ
تمنائے دیرینۂ کردگار — توئے آئینہ دار خویش امیدوار
تن از نور پالودہ سرچشمۂ — دلے ہیچ مہتاب در چشمۂ
بر افشاندہ صحرا گلستاں کنے — بگفتار کافر مسلماں کنے
بدنیا ز دین روشنائی دہے — بعقبیٰ ز آتش رہائی دہے
بلندی دہ کعبہ بالائے او — گرامی کن سجدہ سیمائے او
چمن روشن از پرتو روئے او — ختن بستۂ چین گیسوئے او

سچ فرمائیے یہ حمد و نعت ہے یا ایک ملزم کی کسی جج کے سامنے ایک پُراثر تقریر ہم کو تو اُسکو پڑھ کر مولانا محمد علی کا وہ مشہور بیان اور ڈسٹرکٹ جج کراچی کا وہ اجلاس یاد آجاتا ہے مگر فرق اتنا ہے کہ وہاں ملزم نے کوئی وکیل یا بیرسٹر اپنے مقدمے کی پیروی کے واسطے نہیں کیا تھا یہاں غالب نے اپنی جلی ہوئی تقریر سنا کے بالآخر اپنے تئیں شفیع المذنبین کے رحم و کرم کے حوالے کر دیا۔ وہاں ہمارے کریم و محترم دوست کی بیگناہی کا کسی نے خیال نہیں کیا اور اُن کی بیت نہ ہو سکی یہاں غالب باوجود اعتراف گناہ اُس کارساز و رہ نواز کی رحیمی اور کریمی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی شفاعت سے ہم کو یقین واثق ہے کہ ضرور بری کر دیے گئے ہوں گے۔ اور خدائے بزرگ و برتر نے اپنے جوار رحمت میں اُن کو جگہ دی ہو گی۔

مضمون طویل ہوتا جاتا ہے اور بات میں بات نکلتی آتی ہے مگر میں اس کو دو تین باتیں اور مختصراً عرض کر کے ختم کیے دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ مرزا غالب کے کلام پہ عام طور پر نقد کرنے کا میں اپنے تئیں اہل نہیں پاتا۔ سب سے پہلے مولانا حالی مرحوم نے یہ خدمت اپنے ذمے لی اور خوب پوری کی۔ اُنھوں نے جس خوبی سے مرزا کے کلام کی خصوصیتیں بتائی ہیں اور اشعار کے معنی سمجھائے ہیں وہ دوسروں سے ناممکن ہے۔ یوں تو مرزا صاحب کے کلام میں نت نئے معنی ہر وقت نکل سکتے ہیں مگر مولانا نے اکثر مشکل اشعار کو ایسی عمدگی سے سمجھا دیا ہے کہ دل کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ اب ہمارے لیے یا کسی دوسرے شخص کے لیے جو اس میدان میں طبع آزمائی کرے اور صرف اشعار کے معنی بتلانے پر اپنی ہمت صرف کرے ایسا کرنا تحصیلِ حاصل ہوگا۔ بلکہ میرے نزدیک مرزا صاحب کا فارسی کلام ابھی اچھوتا پڑا ہے اور اس خطے کی کسی نے پیمائش نہیں کی ہے۔ اگر کوئی فارسی داں حضرات اس طرف کوشش کریں اور اس پر کمر ہمت باندھیں تو یہ میرے نزدیک زیادہ مفید ہوگا۔

مرزا صاحب کی مقبولیت کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ اُن کی پیرو اور تتبع اس قدر کثرت سے آپ کو ملیں گے کہ یہ بات کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں۔ میر کو بوجہ اُن کے کلام کے سہل ممتنع ہونے کے سب نے پتھر کی طرح چوم کے چھوڑ دیا۔ اور کوئی اُس طرف رُخ نہیں کرتا۔ ہمارے ظریف الطبع ظریف صاحب نے ایک غزل اپنی ہم کو میر کے رنگ میں البتہ سنائی تھی دیگر شعرا آتش و ناسخ ذوق و امیر و داغ وغیرہ شاید سب کو پھیکے معلوم ہوتے ہیں کہ اُن کے رنگ کو سب نے چھوڑ دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ زمانہ موجودہ میں خواہ وہ لکھنؤ کا رنگ ہو یا دہلی کا سب معنی آفرینی کو پسند کرتے ہیں۔ اور یہ بات سوائے اُس شاعر بے ہمتا کے اور کسی میں نہیں پاتے جس کے نام نامی سے یہ مضمون معنون ہے۔ اور اُسی کے کلام

مرزا صاحب کے مشہور متبع

سے یہ سب سیراب ہوتے ہیں اور اسی سرچشمہ کے پاس یہ دوڑ دوڑ کے جاتے ہیں۔ علاوہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے جو اس نظام عالم میں سب سے بڑے سیارے ہیں پروفیسر مرزا محمد ہادی متخلص بہ مرزا ہمارے کرم فرما عزیز لکھنوی ہمارے دوسرے دوست رضا علی وحشت کلکتوی اور بہت سے اور سیارے اور تارے سب اسی نیر درخشاں کے گرد متحرک ہیں مگر جو بعد مرکز اور محیط میں ہونا چاہیے وہی اس نظام میں بھی آپ پائیں گے۔

اُن کے معترض

علاوہ اِن دوستوں اور پیروؤں کے دشمنوں اور معترضوں کی بھی جو کثرت اس شاعر کو نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے کو نہیں ہوئی۔ خود اُن کی زندگی میں اُن کے

معترض اور بکثرت حاسد تھے اور اب بھی ماشاء اللہ بہت ملین گے مولانا آزاد نے آبحیات کے ایک
حاشیہ مین ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہ خان اوج تخلص ۴۰-۴۵ برس کے مشاق تھے
اپنا اشتیاق سخن سمجھکر مجھ سے بہت خوش ہوتے تھے کہ بس تم ہمارا کلام سمجھتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔
ایک دن راستے مین ملے کہنے لگے آج گیا تھا انھین بھی سُنلیا۔ مین نے پوچھا کیا؟ کڑک کر کہا۔

ڈیڑھ جز پہ بھی تو ہے مطلع ومقطع غائب غالب آسان نہین صاحب دیوان ہونا

اسی طرح بہت سے لوگ تھے جو سیکڑون اعتراض کرتے تھے بعض کہتے تھے کہ کلام گٹھل ہے بعض کہتے تھے گٹھلی دار ہے۔ بعض کے نزدیک معنے ہی معنے ہین لفظ ندارد بعض کے خیال مین لفظ ہی لفظ ہین معنی ندارد۔ بعض کہتے ہین کہ کلام مین عاشقانہ رنگ نہین اور تغزل تو چھو نہین گیا اس پر کیا پرانے استاد کہہ گئے ہین غزل با معشوق گفتگو کردن ہی کا نام ہے۔ مرزا سب کی سنتے تھے اور دم بخود تھے گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل کبھی فریاد دیتے تھے شاعری معنی آفرینی ہے نہ کہ قافیہ پیمائی۔
مرزا کے بڑے دوست مومن اور آزردہ بھی مرزا سے اسی شاعری کی وجہ سے آزردہ رہتے تھے اب بھی معترضون کی کمی نہین مگر ہم تو کہتے ہین کہ ان کا دم بھی اللہ سلامت رکھے۔
ہمارے محترم دوست پروفیسر مرزا محمد ہادی صاحب نے خوب کہا ہے۔

کہان اس دور مین مرزا بھلائی دیکھنے والے خدا رکھے انھین کو جو برائی دیکھ لیتے ہین

آب حیات مین صفحہ ۴۸۱ مین لکھا ہے کہ "مولوی فضل حق صاحب فاضل بے عدیل تھے ایک زمانے مین دہلی عدالت ضلع مین سر رشتہ دار تھے اسی عہد مین مرزا خان عرف مرزا خانی صاحب کوتوال شہر تھے وہ مرزا قتیل صاحب کے شاگرد تھے نظم و نثر فارسی اچھی لکھتے تھے غرضکہ یہ دونون باکمال مرزا صاحب کے دلی دوست تھے ہمیشہ باہم دوستانہ جلسے اور شعر و سخن کے چرچے رہتے تھے۔ انھون نے اکثر غزلون کو سُنا اور دیوان کو دیکھا تو مرزا صاحب کو سمجھایا کہ یہ اشعار عام لوگون کی سمجھ مین نہ آئین گے مرزا صاحب نے کہا اتنا کچھ کہہ چکا اب تدارک کیا ہو سکتا ہے۔ انھون نے کہا خیر جو ہوا سو ہوا انتخاب کرو اور مشکل شعر نکال ڈالو مرزا صاحب نے دیوان حوالے کر دیا۔ دونون صاحبون نے دیکھ کر انتخاب کیا وہ یہی دیوان ہے کہ جو عینک کی طرح ہم آنکھون سے لگائے پھرتے ہین"

مرزا فانی صاحب راقم الحروف کے جد امجد تھے کیتنی خوش نصیبی اور سرفرازی ہے اُس شخص کی جس کے ایک بزرگ خاندان کو اس اُستاد کامل کی بے تکلفانہ دوستی کا شرف حاصل ہو۔ اور پھر اُس نے ایک ایسی علمی خدمت انجام دی ہو۔ والد مرحوم نے بھی ایک شرح دیوان غالب فارسی کے چند اجزا کی مرتب کی تھی اور اس طرح سُنت پدری کو پورا کیا۔ افسوس ہے مرحوم و مغفور کا پورا کلام اور تصنیفات یا تو زمانہ غدر میں تلف ہو گیا۔ یا کیڑون کے نذر ہو گیا اب میرے پاس ایک سطر بھی موجود نہین جس کا سخت تاسف ہے۔ مجھ کو امید واثق ہے کہ میری اولاد بھی اس منصب آبائی کو پورا کریگی۔ اور کچھ نہ کچھ خدمت حضرت غالب کی ضرور کرے گی۔

اب ہم اپنے اس مضمون کو آب حیات کی اس زرین نصیحت پر ختم کرتے ہین کہ "دلون کی نبض کس نے پائی ہے، جانتے نہین کہ دفعۃً اُکتا جاتے ہین۔ پھر ایسا گھبراتے ہین کہ ہاتھون سے نکل جاتے ہین۔



تصانیف مولنا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ، سوانحعمری، اور لکچر وغیرہ

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات ... عہ
(۲) ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات ... عہ
(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ ...... عہ
(۴) تاریخ خلافت۔ خلافت کے مختصر حالات ۴/
(۵) حسن بن صباح۔ بانی فرقۂ باطنیہ کے ۶/
(۶) خواجہ معین الدین۔ خواجۂ اجمیری کے حالات ۶/
(۷) ملکہ زنوبیہ۔ سلف کی ایک عربی نژاد ملکہ ... ۳/
(۸) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ بنت امام حسین ۶/
(۹) شیرین ملکۂ عجم۔ فرہاد و خسرو کی نامور معشوقہ ۳/
(۱۰) صد پارۂ دل۔ پیران اسلام کے حالات عہ
(۱۱) افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کے حالات ... ۳/
(۱۲) قرۃ العین۔ ایران کی مشہور مجتہد زادی کے ۲/
(۱۳) مخدرات۔ نامور خاتونان ارض کی تاریخی حالات ۸/
(۱۴) ولادت سرور عالم۔ مولد شریف مصنفہ علامہ ابوالفرج ابن جوزی کا ترجمہ نثر کا نثر میں اور نظم کا نظم میں مجلد ۸/
(۱۵) سفرنامۂ امام شافعی۔ امام ممدوح کے سفر کے حالات ۴/
(۱۶) صقلیہ میں اسلام۔ عربون کا جزیرۂ سسلی کو فتح کرنا۔ ۱۲/
(۱۷) سرسید کی دینی برکتین۔ ۲/
(۱۸) قانون وراثت اسلام۔ مولنا کا ایک لکچر ۴/
(۱۹) ہندؤن کا تعلق اردو سے۔ ۴/
(۲۰) ہندوستان کی موسیقی۔ ۴/

تاریخی ناول

(۲۲) جین انجیلنا۔ روس و روم کی لڑائی ۱۰/
(۲۳) شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی عہ
(۲۴) طاہرہ۔ نہایت دلچسپ تازہ ناول عہ
(۲۵) مینا بازار۔ مولنا کا سب سے پچھلا اور تازہ ناول عہ
(۲۶) عزیزۂ مصر۔ عہد بنی طولون کا تاریخی ۸ عہ
(۲۷) فتح اندلس۔ اسپین پر عربون کا حملہ ۸/
(۲۸) رومتہ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ لوگون کا حملہ عہ
(۲۹) مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول عہ

(۳۰) فلپانا۔ ارض طرابلس الغرب پر صحابہ حملہ عہ
(۳۱) فلورا فلورنڈا۔ اسپانیہ کو عہد خلافت آل مروان مین عیسائیون کی حالت اور ان کا مجنونانہ جوش ۱۲/
(۳۲) فردوس بریں۔ جنت کی سیر ... عہ
(۳۳) قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق عرب اور اسکی معشوقہ لبنیٰ عہ
(۳۴) لعبت چین۔ عہد صحابہ کا تاریخی ناول عہ
(۳۵) ملک العزیز ورجنا۔ رچرڈ شیردل اور صلاح الدین اعظم ۱/
(۳۶) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا عہ
(۳۷) ماہ ملک۔ غوریون کا عروج اور فتوحات ہند ۸/
(۳۸) منصور موہنا۔ ارض سندھ مین ایک انصاری خاندان ۸/
(۳۹) یوسف و نجمہ۔ کامل جگ بیتی نہین آپ بیتی عہ
(۴۰) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی مکمل تصویر دو حصہ
(۴۱) جویائے حق۔ حضرت رسول صلعم کی سوانحعمری بطور ناول حصۂ اول عہ دوم ۱۲/ سوم ۸/ کامل للعہ
(۴۲) زوال بغداد۔ شیعہ سنیون کی نااتفاقی کا عبرتناک نتیجہ بغداد کی تباہی عہ

دیگر مطبوعات دلگداز پریس

(۴۳) مرزا غالب کی شاعری۔ مرزا محمد عسکری صاحب بی اے کا ایک محققانہ لکچر ۶/
(۴۴) اکاڈیمی کی تاریخ۔ مرزا صاحب موصوف کا لکچر۔ ۴/
(۴۵) رفع النقاب۔ مروجہ پردہ کی تردید ۴/
(۴۶) راماین کے بعض سین۔ ۸/
(۴۷) مسلمان تاجداران ہند۔ دہلی کے بادشاہون کے دلچسپ حالات تین حصہ عہ
(۴۸) جمیلہ۔ مصنفۂ برکات احمد صاحب ۱۲/
(۴۹) بیوفا۔ ایضاً ۱۲/
(۵۰) مجذوب۔ جنگ کریمیا کے واقعات پر ایک دلچسپ ناول ۱۲/
(۵۱) پاداش عمل۔ رینالڈ کے مشہور ناول کلیتھ کا ترجمہ حصۂ اول عہ دوم ۸/ سوم ۸/ چہارم عہ پنجم عہ
(۵۲) اتالیق بی بی۔ میان کی حرکتون پر بی بی کی مزیدار نکتہ چینی ۱۲/

المشتہر
حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز، کٹرہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ